© rasailojaraid.com

برصغیر میں چلنے والی انقلابی تحریکوں کے ریاست بہاولپور پر اثرات

ڈاکٹر شاہد حسن رضوی

اورنگزیب عالمگیر (۱۶۱۸ء۔۱۷۰۷ء) کا عہد برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی عظمت و وقار کا وہ دور تھا جو بامِ عروج کی حدوں کو چھو کر دورِ انحطاط کا پیش خیمہ بن گیا۔ اس کی وفات کے ساتھ ہی سلطنت مغلیہ کا زوال تیزی کے ساتھ شروع ہوا۔ صرف نصف صدی کے عرصہ میں اجنبی تاجروں یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی نے سلطنت کے سب سے زیادہ زرخیز صوبے کے حکمران نواب سراج الدولہ (۱۷۱۹ء۔۱۷۵۷ء) کو شکست دے کر اس کی حکومت اور وسائل پر قبضہ کر لیا۔ اٹھارویں صدی کے اختتام تک مسلمانانِ برصغیر اپنی سیاسی فوقیت کھو بیٹھے تھے حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر برطانیہ کا وظیفہ خوار ہو گیا۔ کوئی قانونی حیلہ طرازی اس حقیقت کی پردہ پوشی نہیں کر سکتی کہ برصغیر میں انگریز ایک بالا دست قوت بن چکا تھا۔ اس وقت کوئی بھی ایسی ریاست یا فرمانروا باقی نہیں رہا تھا جو انگریزوں کی بالا دستی کو دعوت مقابلہ دے سکے (۱)۔ مسلم سلطنت اس قدر جامد وساکت ہو گئی تھی کہ اس کے احیاء کی کوئی امید نہیں تھی۔ یہ صورتحال ملت کے وجود ہی کو ختم کر دینے کے درپے تھی۔ لیکن اس صدی کے دوران اور مابعد چلنے والی اہم تحریکوں کی بدولت مسلمانوں نے احیائے مذہب اور سیاسی اقتدار کی بحالی کے لئے بھرپور کوششیں کیں۔ ان تمام تحریکوں کا منبع حضرت شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء) کی وہ علمی و اصلاحی تحریک تھی جو انہوں نے مغلوں کے دورِ انحطاط میں شروع کی تھی۔ مسلمانانِ برصغیر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے یہ احسانات کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ آپ ہی کی کوششوں سے برصغیر میں صحیح الخیال اور صحیح العقیدہ افراد کی ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی جس نے اپنے کردار و عمل سے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دبستان فکر و عمل کو عام کیا اور بالآخر اس تحریک کی بنیاد پڑی جس کے علمبردار مجاہد فی سبیل اللہ سید احمد شہید (۱۷۸۶ء۔۱۸۳۱ء) تھے جو خانوادۂ شاہ ولی اللہؒ ہی کے خوشہ چین تھے۔ یہ تحریک، تحریک جہاد (۲) کے نام سے مشہور ہوئی جس کا مقصد برصغیر میں ''خلافت الہیہ'' کا قیام تھا۔ اگرچہ یہ تحریک اپنے منطقی مقاصد کے حصول میں ناکام رہی تاہم اس کے دوررس نتائج برآمد ہوئے (۳)۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دبستان ہی سے تعلق رکھنے والے ایک مسلمان رہنما حاجی شریعت اللہ (۱۷۸۱ء۔۱۸۴۰ء) نے فرائضی تحریک (۴) کی بنیاد رکھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے محسن الدین احمد المعروف دودھو میاں نے اس تحریک کو سنبھالا دیا۔ اس کے بعد اس کام کو میر نثار علی عرف تیتو میر نے جاری رکھا۔

جب سلطنت مغلیہ زوال پذیر ہو رہی تھی تو مسلم حکومت کے چند مراکز کچھ عرصے تک باقی رہے جن میں بنگال،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اودھ، میسور اور حیدر آباد کی ریاستیں خصوصی اہمیت کی حامل تھیں۔ سب سے پہلے انگریزوں کے ہاتھوں سقوط بنگال ہوا (۵)۔ میسور ایک مسلم ریاست کی حیثیت سے ۱۷۹۹ء میں اس طرح غائب ہوگئی کہ ٹیپو سلطان (۱۷۵۰ء۔۱۷۹۹ء) انگریزوں کے خلاف اپنے دارالحکومت سرنگا پٹم کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اودھ کو پہلے ایک باج گزار ریاست کی حیثیت حاصل ہوئی، الحاق پنجاب بھی ۱۸۴۹ء میں ہوا اور بعد میں اسے برطانوی مقبوضات میں شامل کرلیا گیا اور پھر ریاست حیدر آباد دکن بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے تابع ہوگئی (۶)۔ اودھ کے الحاق کے بعد کمپنی کا پرچم ہندوستان کے طول و عرض میں لہرانے لگا۔

عام طور پر یہ توقع کی جارہی تھی کہ برصغیر پاک و ہند کی حکومت مسلمانوں میں عام مقبولیت حاصل نہیں کرے گی کیونکہ مسلمانوں نے اپنے سیاسی اقتدار کے زوال پر آسانی کے ساتھ سر تسلیم خم نہیں کیا تھا نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دبستان نے اس شعور کو بیدار رکھا کہ وہ تاریخ میں حکمرانوں اور سلطنت کے معماروں کا کردار ادا کرچکے ہیں۔ ویسے بھی ایک غیور قوم کے لئے بہت دشوار ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلامی پر راضی ہوجائے اور مسلمان تو کبھی بھی غلامی کی زندگی پر قانع نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ ''از غلامی فطرت آزاد رسوا مکن'' انگریز ان جذبات سے باخبر تھے۔ اسی لئے یہ امر قدرتی تھا کہ وہ مسلمانوں پر بے وفائی کا شبہ کریں۔ انگریزوں نے اپنی حاکمانہ حیثیت کو تقویت دینے کے لئے ہندوستانیوں میں سے اپنے اتحادی تلاش کرلئے جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ نئی حکومت کو محض آقاؤں کی تبدیلی سمجھیں گے چنانچہ اس کام کے لئے ہندوؤں کی وفاداری اور ان کے تعاون کو حاصل کیا گیا اور مسلمانوں کو کمزور کرکے اپنے مدمقابل کھڑا ہونے کے خوف سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیر نکالی گئی۔ اس طرح مسلمانوں اور انگریزوں کے تعلقات بتدریج کشیدہ ہوتے گئے۔ انگریز اس خاموش جنگ کو جاری رکھنے کی استطاعت رکھتے تھے۔ کیونکہ اب وہ قوت حاصل کرکے اچھی طرح محفوظ حکمران بن گئے تھے اور ان کے پاس ایسے دیسی اتحادی موجود تھے جو ان سے مل کر ایک طرح کا مشترک مقصد بنانا چاہتے تھے۔ واضح رہے کہ اس قسم کے طرز عمل سے صرف مسلمانوں ہی کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔

تاریخ کے اس دھارے نے مسلمانوں کو مصیبت میں مبتلا کرکے ان پر عرصہ حیات تنگ کردیا اور اب مسلمانوں کے لئے ایک ہی راستہ تھا اور وہ تھا بغاوت کا راستہ (۷)۔ کیونکہ صرف اسی پر چل کر مسلمان اپنی چھینی ہوئی آزادی حاصل کرسکتے تھے۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت یا تحریک آزادی کی ہمہ گیری کا یہ عالم تھا کہ تین ہفتوں کے اندر اندر سارے ملک میں ہنگامے شروع ہوگئے تھے۔ تاہم اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ برصغیر کے بعض علاقے اس تحریک سے لاتعلق رہے اور بعض نے انگریزوں کا ساتھ دیا (۸)۔

انگریزوں کا ساتھ دینے والے علاقوں میں ریاست بہاولپور بھی شامل تھی جو اپنے تاریخی پس منظر اور جغرافیائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہمیت کے لحاظ سے برصغیر پاک و ہند کی ریاستوں میں منفرد مقام کی حامل تھی۔

بہاولپور کا بطور ریاست قیام ۱۷۲۷ء میں عمل میں آیا (۹) اور جب ریاست کے چوتھے نواب بہاول خان ثانی (۱۷۵۲ء۔۱۸۰۹ء) نے ۱۷۷۲ء میں بہاولپور کی انتظامی ذمہ داری سنبھالی تو اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی طاقت کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ پنجاب بھی دہلی کی مرکزی حکومت کے قبضے سے نکل کر ''سکھا شاہی'' کا حصہ بن چکا تھا۔ رنجیت سنگھ (۱۷۹۹ء۔۱۸۳۹ء) کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت نے خود بہاولپور کے لئے خطرات پیدا کر دیئے تھے (۱۰) اسی دوران کمپنی کے گورنر جنرل لارڈ منٹو (۱۸۰۷ء۔۱۸۱۳ء) نے جب افغانستان کی نازک صورتحال کے پیش نظر ۱۸۰۸ء میں اپنا ایک وفد ماؤنٹ اسٹوارٹ ایلفنسٹن (Mount Stuart Elphinstone)(۱۷۷۹ء۔۱۸۵۹ء) کی زیر قیادت کابل روانہ کیا (۱۱) تو یہ وفد کابل جانے کے لئے بیکانیر اور مارواڑ کے راستے بہاولپور کی حدود میں داخل ہوا۔ اس وقت کے فرمانروا نواب بہاول خان دوئم نے نہ صرف اس وفد کو خوش آمدید کہا بلکہ ان کی کافی خاطر مدارت کی اور یہ اس وقت تک جاری رہی جب تک وہ بہاولپور کی حدود میں رہے (۱۲)۔ اسی زمانے میں حکومت بہاولپور اور انگریزوں کے مابین کی راہ و رسم کا آغاز ہوا۔

۱۲، اگست ۱۸۰۸ء کو گورنر جنرل لارڈ منٹو (۱۸۰۷ء۔۱۸۱۳ء) نے چارلس مٹکاف کو مہاراجہ رنجیت سنگھ سے معاہدہ کرنے کے لئے لاہور بھیجا۔ ۱۲، ستمبر ۱۸۰۸ء کو دریائے ستلج کے قریب مٹکاف اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملاقات ہوئی، مٹکاف نے رنجیت سنگھ سے دفاعی معاہدہ کرنا چاہا اور مہاراجہ کو معاہدے پر مجبور کرنے کیلئے ہندوستان پر فرانسیسی حملے کے امکانات پر بھی گفتگو کی تو مہاراجہ نے معاہدے کے لئے یہ شرط رکھی کی کہ ستلج پار کی ریاستوں (بہاولپور، سندھ وغیرہ) کو پنجاب میں شامل کرنے دیا جائے۔ اس پر چارلس مٹکاف نے خاموشی اختیار کر لی۔ دوسری طرف رنجیت سنگھ نے ان ریاستوں پر حملہ کرنے کے لئے نقل و حرکت شروع کر دی چنانچہ اس مسئلہ پر کمپنی کے نمائندے اور رنجیت سنگھ کے درمیان بات چیت شروع ہوئی۔ کمپنی اس وقت سکھوں سے بھی لڑنا نہیں چاہتی تھی اور ستلج پار ریاستوں یعنی بہاولپور اور سندھ کو بھی اپنی حفاظت میں رکھنا چاہتی تھی۔ چنانچہ دوبارہ ۲۵، اپریل ۱۸۰۹ء کو کمپنی اور حکومت پنجاب کے مابین ایک معاہدہ ہو گیا۔ اس معاہدے نے کمپنی کی سرحدوں کو تو جمنا سے ستلج کے کناروں تک پہنچا دیا لیکن بہاولپور سکھوں کی قہرمانی سے محفوظ ہو گیا (۱۳)۔

برصغیر پاک و ہند کے پُر آشوب سیاسی حالات سے بہاول خان دوئم نہ صرف آگاہ تھا بلکہ وہ انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے بھی باخبر تھا۔ چنانچہ اس کی انگریزوں سے دوستی کی خواہش بھی جذبات سے زیادہ حقیقت پر مبنی تھی۔ اگرچہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انگریزوں نے بہاولپور سے دوستی کا معاہدہ کرنے کی ضرورت اس وقت محسوس کی جب افغانستان برطانیہ کی پالیسی کا جزو لازم بن چکا تھا تاہم ریاست بہاولپور اور انگریزوں کے درمیان معاہدے کی فوری وجہ مہاراجہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رنجیت سنگھ کا حملہ تھا۔ رنجیت سنگھ نے ریاست کو زیر کرنے کے لئے ایک لشکر شام سنگھ اٹاری کی سرکردگی میں بھیجا تھا یہ لشکر بہاولپور کے علاقے کہ ٹ ِپکا تک پہنچ گیا تھا۔ اس پر نواب بہاولپور نے ایک وفد گورنر جنرل ولیم بینٹک (۱۸۲۸ء۔۱۸۳۵ء) کے پاس شملہ میں بھیج کر حفاظتی اعانت کی استدعا کی جس کے نتیجہ میں ۲۲ فروری ۱۸۳۳ء کو معاہدہ دوستی عمل میں آیا اور انگریز حکومت نے سکھوں کی پیش قدمی کو روک دیا (۱۴)۔ اسی تعلق کا نتیجہ تھا کہ نواب بہاول خان سوئم نے نواب سعادت یار خان کی ولی عہدی کی منظوری بھی کمپنی سے حاصل کی (۱۵)۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ جب ۱۸۵۷ء میں ہندوستان میں بغاوت کا طوفان اٹھا تو ریاست بہاولپور نہ صرف خاموش رہی بلکہ ریاست کے تمام تر وسائل انگریزی حکومت کے استحکام کے لئے استعمال ہوتے رہے اور اس کی وفادار فوجیں پنجاب کے محاذ پر سکھوں کو شکست دینے کے لئے انگریزی فوجوں کے دوش بدوش صف آرا رہیں (۱۶)۔ یہی نہیں بلکہ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو جب دہلی پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو گیا (۱۷) تو بہاولپور ریاست کے شہروں خاص طور پر بہاولپور اور احمد پور شرقیہ میں چراغاں کیا گیا اور انگریزوں کو با قاعدہ تہنیتی پیغام بھجوایا گیا (۱۸)۔

ریاست کا یہ طرز عمل محض فرمانرواؤں کی سرکاری پالیسی تھی۔ جس کا مقصد صرف اور صرف اپنے اقتدار کو اول سکھوں اور بعد ازاں انگریزوں کی قہر مانیوں سے بچانا تھا۔ ورنہ یہاں کی مسلم آبادی اس فیصلے پر ان کی ہم خیال نہیں تھی۔ اس فیصلے کے خلاف لوگوں کے دلوں کی ترجمانی اس علاقے کے معروف صوفی شاعر خواجہ غلام فریدؒ (جن سے والیان ریاست کو بڑی عقیدت تھی) نے اپنے اشعار میں اس طرح کی ہے۔

اپنے ملک کو آپ وساتوں
پٹ انگریزی تھانے (۱۹)

یعنی اپنی ریاست کو پوری طرح خود آباد کریں اور انگریزی تسلط کی علامت تھانوں اور چوکیوں کا نام ونشان مٹا دیں۔

خواجہ فریدؒ کے ان خیالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اہل درد مسلمانوں کے دل ۱۸۵۷ء کے واقعات اور انگریزی تسلط پر کس قدر مغموم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں چلنے والی آزادی کی دوسری تحریکوں کو اس خطے کے لوگوں نے خوش آمدید کہا۔

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد مسلم ملت اب ایک ایسے موڑ پر پہنچ گئی جس کے آگے راستہ بند تھا، جس سے نکلنے کے لئے بہت سے رجحانات کو بدلنا ضروری تھا تا کہ ممکن العمل مقاصد کا تعین کیا جا سکے۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد برطانوی امن کا جو چتر شاہی (Conditions) بڑی بے دردی سے مرتب کیا گیا تھا اس کے زیر سایہ مختلف قومیں تھک ہار کر بیٹھ گئیں اور برصغیر کے باشندوں نے انگریزی اقتدار کی بالادستی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا خود مسلم قوم نے سید احمد خان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) کے مشورہ کو قبول کر کے ناگزیر حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

نئی تعلیم تو انگریزی حکومت کے استقرار کے لئے آئی تھی مگر اجنبی حکومت کے ساتھ وفاداری ملت کی سیاسی حکمت عملی کا جز و اعظم کب تک رہ سکتی تھی؟ اس کے علاوہ برصغیر پر برطانوی قبضے کے خلاف مخاصمت کی طویل روایت کو آسانی سے ختم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں انگریزوں اور روسیوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا (۲۰) اس نے ان مسلم ممالک کے لئے جواب تک آزاد تھے تازہ خطرات پیدا کر دیئے (۲۱)۔

دوسری طرف اپنی آزادی کھونے کے بعد برصغیر کی ملت اسلامیہ میں دوسری مسلم قوموں سے روابط کا ایک نیا شعور پیدا ہوا چنانچہ اس سے ایسا ہیجانی ردعمل پیدا ہوا جو برطانوی حکومت سے مسلمانوں کی وفاداری کو کمزور کرتا تھا (۲۲)۔

سیاسی سکوت کے اس طویل دور میں دبستان حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعض عناصر اپنا ردعمل ظاہر کرتے رہے اور خاص کر ۱۹۰۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا عرصہ برصغیر میں سیاسی تحریکات کا دور سمجھا جاتا ہے۔ اسی دور میں خلافت اور ترک موالات کا غلغلہ بلند ہوا۔ تحریک ریشمی رومال نے جنم لیا۔ دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء) کا آغاز و انجام ہوا۔ کانگریس (۱۸۸۵ء) اور مسلم لیگ (۱۹۰۶ء) کے درمیان رسہ کشی نے عروج حاصل کیا اور دنیا کے نقشہ پر مسلمانوں کی ایک نئی مملکت کا ظہور ہوا۔

ان تمام سیاسی تحریکات سے ریاست بہاولپور کے عوام بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جو تحریک بھی ہندوستان کے کسی گوشے سے ابھرتی اس کے کچھ نہ کچھ اثرات بہاولپور میں ضرور پہنچتے۔ چنانچہ جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد جب ہندوستان میں ایک اور آزادی کی تحریک شروع ہوئی جو تحریک ریشمی رومال کے نام سے مشہور ہے تو اس میں ریاست کے بعض افراد نے عملی طور پر حصہ لیا۔

حقیقتاً تحریک ریشمی رومال برصغیر کی جنگ آزادی کا ایک اہم نشان تھی۔ دین پور شریف میں اس تحریک کے مرکز کے قیام نے بہاولپور کو جنگ آزادی کے تاریخی تسلسل کا ایک اہم حصہ بنا دیا۔

اس تحریک کی ابتدا میں یہ ضروری سمجھا گیا کہ چونکہ بغیر تشدد ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا اور وطن عزیز کا آزاد کرانا ممکن نہیں ہے اور اس طرح کے انقلاب کے لئے محفوظ مرکز کے علاوہ اسلحہ اور سپاہی (مجاہدین) وغیرہ ضروری ہیں چنانچہ یا غستان (آزاد قبائل) کو مرکز قرار دیا گیا کہ وہ وہاں اسلحہ اور جانباز سپاہیوں کا انتظام ہونا چاہئے۔ اس کے علاوہ آزاد قبائل کے نوجوان ہمیشہ جہاد کرتے رہتے ہیں اور قوی ہیکل جانباز ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو متفق اور متحد کرنا اور ان میں جہاد کی روح پھونکنا بھی ضروری تصور کیا گیا اور انہی سے کامیابی کی امید کی گئی۔ اس بناء پر ضروری سمجھا گیا کہ مندرجہ ذیل امور عمل میں لائے جائیں:۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف)۔ ان علاقوں کے باشندوں سے آپس کے تنازعات قدیم اور قبائلی دشمنیوں کو مٹایا جائے۔ان میں اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

(ب)۔ ان میں جوشِ جہاد اور آزادی کی تڑپ پیدا کی جائے۔

(ج)۔ سید احمد شہیدؒ کی جماعت المجاہدین سرحد کے لوگ جو کہ تھیانہ چمرقند میں مقیم ہیں اور ان وہ قبائل جن میں تنفر اور شکر رنجیاں عرصہ سے چلی آتی ہیں ان کو دور کیا جائے (۲۳)۔

یہ ایک منظم خفیہ قسم کی تحریک تھی۔اس تحریک کے وجود کا انکشاف مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۲ء۔۱۹۴۴ء) (۲۴) کی سرگرمیوں سے ہوا۔ جو ہندوستان سے ہجرت کر کے کابل چلے گئے اور وہاں سے پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) کے دوران ترکوں کے لئے حمایت حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔مولانا عبیداللہ سندھی کا منصوبہ یہ تھا کہ ترکی کی حکومت افغانستان کے راستے ہندوستان پر حملہ کرے گی اور اس موقع پر ملک بھر میں بغاوت ہو جائے گی۔ترکی افواج ہندوستان کو انگریزوں سے آزاد کرا کے انقلابی حکومت کے حوالے کر کے واپس چلی جائے گی۔اس کے بدلے انقلابی حکومت ترکی کو برطانیہ کے خلاف مالی اعانت اور رضا کاروں کی صورت میں امداد دے گی۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن (۱۸۵۱ء۔۱۹۲۰ء) (۲۵) نے بغاوت کے لئے انور پاشا (۱۸۸۱ء۔۱۹۲۰ء) اور جمال پاشا سے مشورہ کر کے ۱۹ فروری ۱۹۱۷ء کی تاریخ مقرر کر دی اور اس کام کے لئے آٹھ بڑے مراکز قائم کیے گئے جہاں انتہائی راز داری سے کے ساتھ کارکنوں کو تربیت دی جاتی تھی۔ان مراکز میں راندیر (کاٹھیاواڑ)، پشاور، پانی پت، لاہور، امروٹ (سندھ)، کراچی، اتماں زئی (سرحد)، ترنگ زئی (قبائل علاقے) اور دین پور شریف (ریاست بہاولپور) شامل تھے۔

تحریک ریشمی رومال کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مولانا عبیداللہ سندھی نے افغان حکمران حبیب اللہ خان (۱۹۰۱ء۔۱۹۷۹ء) کے ساتھ ایک معاہدہ کیا کہ افغانستان سے ترکی کی افواج کو گزرنے دیا جائے گا۔یہ معاہدہ ایک زرد رنگ کے ایک ریشمی رومال پر تحریر کیا گیا۔جس پر تحریک کے رہنما مولانا عبیداللہ سندھی اور افغانستان کے فرمانروا امیر حبیب اللہ خان اور ان کے تینوں بیٹوں امان اللہ خان، نصر اللہ خان اور عنایت اللہ خان نے بھی دستخط کیے۔یہ معاہدہ ہندوستان کے راستے حجاز پہنچنا تھا۔جہاں شیخ الہند مولانا محمود الحسن پہلے سے موجود تھے۔وہاں پر عاملِ مکہ معظمہ انور پاشا کی معرفت ترکی حکومت سے بات چیت کر کے معاہدہ کرنا تھا۔چنانچہ کابل سے یہ دستاویز ایک نومسلم کارکن عبدالحق کی معرفت پشاور پہنچی وہاں سے اگلے روز شام تک سابق ریاست بہاولپور میں دین پور شریف پہنچا دی گئی۔ادھر صبح کو پشاور کے امیر حق نواز خان کے گھر چھاپہ پڑا۔لیکن وہ ثابت قدم رہے اور جو کچھ پوچھا گیا وہ انکار کرتے رہے آخر کار ایک ماہ بعد ان کو رہا کر دیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادھر دین پور شریف میں یہ دستاویز صبح دس بجے پہنچتی ہے جنگ کا زمانہ تھا۔ آپ کے ایک معتمد آدمی کے ہاتھ بارہ بجے سندھ روانہ کردی گئی۔ یہ امانت تو خواجہ صاحب نے سندھ روانہ کردی مگر چار بجے ان کے ہاں فوج پہنچ گئی۔ مکان کا محاصرہ کر کے تلاشی لی گئی۔ دس بجے رات تک تلاشی جاری رہی۔ کچھ برآمد نہ ہوا۔ خواجہ صاحب کو پہلے بہاولپور پھر فیروز پور لے جایا گیا پوچھ گچھ ہوتی رہی۔ آپ نے کچھ نہ بتایا تو قید کردیے گئے۔ چار ماہ بعد آپ رہا ہوئے۔ ادھر یہ امانت دوسرے دن ظہر کے وقت شیخ عبدالرحیم کو ملی جو نومسلم تھے اور مسٹر کرپلانی کے حقیقی بھائی تھے اور مولانا عبیداللہ سندھی کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تھا۔ شیخ نے حلیہ بدل کر فرار ہونے کا قصد کیا اس مقصد کے لئے وہ اس رومال کو اپنے ایک فقیرانہ رومال میں چھپانا چاہتے تھے۔ انہوں نے رومال نکالا ہوا تھا۔ ہاتھ میں سوئی دھاگہ لیا ہوا تھا اور اسے گدڑی میں سی رہے تھے کے اچانک فوج دیواریں پھاند کر اندر آگئی۔ فوج نے اس رومال کو قبضہ میں لے لیا۔ تاہم شیخ عبدالرحیم دیوار پھاند کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اور آخر کار فقیری کی حالت میں ہی سرہند میں ان کا انتقال ہوگیا (۲۶)۔

حقیقت میں امیر حبیب اللہ خان والئی کابل نے خوفزدہ ہو کر خود ہی یہ راز انگریزوں کو بتا دیا۔ نتیجہ کے طور پر ہندوستان میں اہم کارکنوں کے علاوہ مولانا محمود الحسن کو بھی حجاز سے گرفتار کر کے مالٹا میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس طرح یہ تحریک چند غداروں کی وجہ سے ناکام ہوگئی۔ اس تحریک کی ناکامی پر تبصرہ کرتے ہوئے عبیداللہ قدسی نے لکھا ہے:

''اس میں شک نہیں کہ اس تحریک کی ناکامی کا اولین سبب وہ علماء اور دیوبندی طالب علم تھے جو حجروں میں رہتے اور عقیدت کے گوہر نثار کرتے۔ دو روٹی اور ایک پیالے سالن پر حدیث کا دورہ پورا کرتے اور سائے کی طرح ساتھ لگے رہتے۔ اس سے بھی دردناک پہلو یہ ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی نے مولانا عبیداللہ سندھی کی ڈائری کے اس حصے کو قطعی نظر انداز کردیا جس میں ہندوؤں کی سازش اور ان کے تعصب کا کھل کر ذکر ہے۔''

قدسی نے مزید لکھا ہے کہ:

''یہ باور کرنے کے کافی وجوہ موجود ہیں کہ پنڈت مدن موہن مالویہ نے لالہ لاجیت رائے کو اس لئے تحریک میں داخل کیا تھا کہ انہیں تحریک کی تمام کاروائیوں کا علم ہوتا رہے اور وہ انگریزوں کو خبر پہنچاتے رہیں۔ وہ جانتے تھے ترکوں اور مسلمانوں کے حملے کے بعد اگر انگریز نکل گئے، تو فاتح مسلمان ہی ہوں گے ہندو نہیں۔ یہ وہ پہلو ہے جسے دیوبند کے علماء نے ہمیشہ نظر انداز کیا اور اسی لئے وہ عام مسلمانوں سے کٹے رہے۔ اگر انہوں نے یہ پہلو پیش نظر رکھا ہوتا، تو آج ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کہیں زیادہ درخشاں ہوتی۔ ہندوستان میں مسلمان اس طرح زیردست اور بے دست وپا نہ ہوتے بلکہ انہیں اپنی قومی معیشت برقرار رکھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی وجہ سے مساوی حقوق حاصل ہوتے (۲۷)۔

تحریک کی ناکامی کے بعد مولانا عبید اللہ سندھی کی جماعت نے کانگریس میں شمولیت اختیار کر لی اور وہ کابل شاخ کے صدر منتخب ہو گئے۔ یہاں سے آپ روس گئے۔ پھر وہاں سے ترکی اور اس کے بعد اٹلی اور سوئٹزرلینڈ سے ہوتے ہوئے حجاز پہنچے اور آخر میں ۱۹۳۱ء میں وطن واپس آئے اور سرزمین بہاولپور کے قصبہ دین پور شریف میں مستقل رہائش اختیار کی اور دین کی اشاعت میں مصروفِ عمل ہو گئے (۲۸)۔

اس تحریک کی ناکامی اور مولانا عبید اللہ سندھی کی تعلیمات نے سابق ریاست بہاولپور کے لوگوں کے دلوں میں حریت پسندانہ جذبات موجزن کر دیئے اور آزادیءوطن کے چشمے جو ایک ہی سمت میں بہہ رہے تھے ریاست بہاولپور کے لوگ بھی اس دھارے میں شامل ہو گئے۔ اگر چہ بہاولپور کا ریاستی انتظام اس قسم کی تحریکات کی اجازت نہیں دیتا تھا کیونکہ رائج الوقت قانون کے تحت یہاں نہ سیاسی سرگرمیوں کی اجازت تھی اور نہ سیاسی جماعتوں کا قیام عمل میں آسکتا تھا۔ تاہم لوگوں نے اپنے اپنے سیاسی معتقدات ورجحانات کے مطابق سماجی اور مذہبی بنیادوں پر یہاں کچھ تنظیمیں قائم کی ہوئی تھیں جنہیں وہ اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان جماعتوں میں حزب اللہ، انجمن اشاعت سرت النبی ﷺ، جمعیت المسلمین وغیرہ شامل تھیں اور یہاں کے لوگ ان تنظیموں کے پلیٹ فارم سے نہ صرف ریاست میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہوئے بلکہ بیرون ریاست کے مذہبی رہنماؤں سے اعتقادی تعلق اور وہ نوجوان جنھیں بیرونی تعلیمی اداروں سے منسلک ہونے کی وجہ سے بعض سیاسی رہنماؤں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا، ان کی بدولت برصغیر میں جنم لینے والی سیاسی تحریکوں کی نہ صرف حمائت کرنے لگے بلکہ برصغیر میں چلنے والی مختلف تحریکوں میں بھی حصہ لینے لگے (۲۹)۔ ان نامساعد حالات کے باوجود بہاولپور میں آزادی کے جیالوں نے اپنی مساعی جاری رکھیں چنانچہ اس کا واضح اظہار دیگر تحاریک کی طرح، تحریکِ خلافت میں بھی ہوا۔ حقیقت میں تحریکِ خلافت ایثار نفس کی قسمت آزما جدوجہد تھی۔ اس تحریک کا مقصد دوسرے ممالک کے مسلمان بھائیوں کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلانا تھا (۳۰)۔ اگر چہ یہ تحریک اپنے منطقی انجام تک نہ پہنچی تاہم کارکنوں اور رہنماؤں کی قربانیوں نے مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر عوامی تحریک کو منظم کرنے کی طریق کار کی تعلیم دی۔ مسلمانوں میں جو خود اعتمادی ختم ہو چکی تھی اسے بحال کر کے ان میں سیاسی بیداری پیدا کر دی۔ مسلمانوں نے اب اس خیال کو ترک کر دیا کہ وہ ہندوستان میں ہندوؤں یا انگریزوں کے بھروسے پر ہی زندہ رہ سکتے ہیں۔ اب وہ مقابلے کے لئے تیسرے فریق کی حیثیت سے سیاسی اکھاڑے میں اتر آئے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی بیداری کے اثرات بہاولپور جیسے دور دراز علاقوں تک بھی پہنچنا شروع ہو گئے تھے اور یہاں کے لوگوں میں بھی سیاسی شعور کافی بیدار ہوا، برصغیر میں تحریکوں کے تسلسل نے ان کو بھی زبان عطا کر دی تھی چنانچہ ۱۹۱۹ء میں جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریک خلافت کا آغاز ہوا اور انگریزوں کی مخالفت نے ایک جذباتی صورت اختیار کی تو مصلحتوں کی دیواریں خود بخود گرنے لگیں اور انگریزوں کے خلاف منافرت کو جو جذبہ اب تک اندر ہی اندر پرورش پا رہا تھا وہ اب اُبھر کر سامنے آ گیا تھا۔ بہاولپور میں اگرچہ اس تحریک سے عملی وابستگی کا کوئی سراغ نہیں ملتا لیکن بعض واقعات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ تحریک بہاولپور جیسے دور افتادہ علاقوں میں بھی لوگوں کے دلوں پر اثر کیے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ بہاولپور میں بھی ایک انقلاب رونما ہوا دو جرأتمند ریاستی افسروں نے سرکاری ملازمتوں سے استعفیٰ دے دیا۔ ان میں ایک مولوی عبدالعزیز جو اس وقت ضلعدار تھے اور دوسرے غلام قادر اور سیئر شامل تھے (۳۱)۔ انہوں نے اپنے استعفیٰ میں تحریر کیا:

''ریاست بہاولپور کا نظام کونسل آف ریجنسی کے ہاتھ میں ہے جو انگریزی حکومت کی نمائندہ ہے اور انگریزی حکومت کی ملازمت جائز نہیں''(۳۲)۔

مولوی عبدالعزیز نے ملازمت سے استعفیٰ کے بعد فرداً فرداً لوگوں کو تحریک خلافت کی اہمیت سے روشناس کرایا اور پھر عیدگاہ بہاولپور شہر کے ایک عظیم اجتماع میں پر جوش تقریر کی۔ آپ کو اس انگریز مخالف تقریر کے نتیجے میں گرفتار کر کے پابند سلاسل کر دیا گیا لیکن جو شمع ایک بار روشن ہو چکی تھی اس کی روشنی ریاست کے طول و عرض میں پھیلنا شروع ہو گئی۔ مولوی عبدالعزیز مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے مولانا ابوالکلام کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی تھی (۳۳)۔ بہاولپور کے مشہور رہنما تاج محمد خان درانی مرحوم (۔) جو جامعہ ملیہ دہلی اور علی گڑھ میں زیر تعلیم رہے تھے تحریک خلافت اور مولانا محمد علی جوہر سے متاثر ہو کر بہاولپور پہنچے۔ مولانا جوہر نے تحریک خلافت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے انہیں سندھ بھی بھیجا۔ انہی انفرادی سرگرمیوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے امیر افضل حق مرحوم تاریخ احرار میں اہل بہاولپور کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''یہ نہ سمجھو کہ یہاں (بہاولپور میں) مسلمان کارکنوں کی کمی ہے۔ تحریک خلافت میں بھی یہاں کے بہادر لوگوں نے اقدام کیا''(۳۴)۔

برصغیر میں ہندو مسلم اتحاد کا خواب تحریکِ خلافت کے دوران ہی ادھورا نظر آنے لگا تھا۔ چنانچہ جب تحریکِ خلافت کمزور پڑ گئی تو ہندو مسلم فسادات کا ایک طویل اور خطرناک سلسلہ چل نکلا۔ ۱۹۲۲ء میں محرم کے موقع پر ملتان میں فساد ہوا۔ ۱۹۲۳ء میں سہارن پور میں فساد ہوا جس میں سو سے زیادہ افراد قتل اور زخمی ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں کوہاٹ میں بھی فساد ہوا (۳۵)۔ ان فسادات سے ریاست بہاولپور بھی محفوظ نہ رہی۔ ۱۹۲۳ء میں ریاست بہاولپور میں کوچہ گھسن کی ایک مسجد ہندو مسلم نزاع کا سبب بن گئی۔ یہ مسجد خالصتاً ہندوؤں کے محلہ میں تھی اور ہندوؤں کو اعتراض تھا کہ نمازیوں کے آنے جانے سے ان کی عورتوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بے پردگی ہوتی ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یہ تنازعہ بڑھتا گیا چنانچہ حکومت نے مسجد کو مقفل کر کے پولیس کا پہرہ بٹھادیا (۳۶)۔ اس واقعہ کے بعد ریاست بہاولپور میں مظاہرے ہوئے اور احتجاجی جلوس نکالے گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور یہ مسئلہ باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر گیا اور مسلمانوں نے اس کے خلاف باقاعدہ ایجی ٹیشن شروع کر دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب بہاولپور کے مسلمان عوام اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے سوچنے پر مجبور ہوئے۔

مسلم لیگ کی ۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کے بعد برصغیر کے مسلمانوں میں جوش و ولولے کی ایک نئی لہر اٹھی اور نظریہ پاکستان خوشبو کی طرح پھیلتا چلا گیا۔ بہاولپور میں اس فضا کی عملی لہران پرجوش تعلیم یافتہ افراد کی شکل میں پہنچی جو لاہور اور علی گڑھ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد یہاں پہنچے۔ نظریات کے اس دوطرفہ پھیلاؤ نے پورے ہندوستان کی طرح بہاولپور کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور یہاں کے سیاسی کارکن اور عوام ذہنی طور پر تقسیم ہو گئے۔ مسلمانوں کی دو نمائندہ تنظیموں حزب اللہ اور جمعیت المسلمین کے درمیان اختلاف نے اس تقسیم کو عملی صورت دے دی۔ انجمن اشاعت سیرت النبی ﷺ کے ارکان نے بالآخر جمعیت المسلمین سے علیحدگی اختیار کر کے مسلم بورڈ (۳۷) کے نام سے ایک علیحدہ جماعت بنائی جس کے صدر پیرزادہ محمد سلیم تھے۔ آگے چل کر جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ میں تو اتحاد ہو گیا لیکن خدام وطن جس کا حقیقی گٹھ جوڑ مجلس احرار اور جمعیت علمائے ہند سے تھا بدستور تحریک اور مسلم لیگ کی مخالفت کرتی رہی (۳۸)۔

چنانچہ جب پاکستان کی تحریک فیصلہ کن موڑ میں داخل ہوئی تو ''خدام وطن'' جو کہ احرار کے افکار کا ہی پرچار کر رہی تھی نے مختلف رائے کا اظہار کیا۔ خدام وطن کے صدر میاں فیض محمد چوڑی گر نے یہ بیان جاری کیا:

> ''ریاست بہاولپور کے پیش نظر اس وقت اہم ترین سوال یہ ہے کہ ریاست پاکستان فیڈریشن کے ساتھ شامل ہو، یا ہندوستانی فیڈریشن کے ساتھ الحاق کرے یا خودمختاری کا اعلان کرے۔ اس سوال کی تاریخی اہمیت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ اس کا باشندگان ریاست کی آئندہ زندگی پر کیا اثر پڑے گا۔ اس لئے اس مسئلہ کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔ ضروری نہیں کہ جذبات کی رو میں بہہ کر اندھا دھند کسی ڈومینین کے ساتھ وابستگی کا اعلان کر دیا جائے حکام ریاست کو دیکھنا چاہئے کہ ہماری آئندہ خوشحالی کس ڈومینین کے ساتھ وابستہ ہے؟ کیا ہمیں بھاگڑہ ڈیم سے پانی ملے گا؟ کیا ہماری موجودہ نہری نظام میں اضافہ کیا جائے گا؟ کیا ریلوے اور ڈاکخانہ کی آمدنی سے ہمیں حصہ ملے گا؟ کیا ہمیں ضروری اشیاء مثلاً کپڑا، کھانڈ وغیرہ مہیا کرنے میں سہولتیں دی جائیں گی؟ جو ڈومینین ہمارے یہ مطالبات تسلیم کرے اس کے ساتھ الحاق کرنا چاہئے خواہ وہ پاکستان ہو یا ہندوستان؟ (۳۹)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ بیان ریاست کے عوام اور مسلم لیگی حلقوں کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ یہ بیان ریاست کے پاکستان کے الحاق کے خلاف تھا۔ چنانچہ جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ جو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار نہ تھے یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ اگر وہ اپنی قوت کانگریسی اور احراری خیال کے حامیوں کے مقابلے میں مجتمع نہ کر سکے تو مخالفین کا داؤ چل جائے گا اور ریاست کا الحاق پاکستان سے نہیں ہو سکے گا۔ اس اندیشے نے جمعیت المسلمین اور مسلم بورڈ کو قریب کر دیا اور پھر دونوں جماعتوں نے مل کر ''خدام وطن'' کے اس پراپگینڈے کے جواب میں ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی زبردست مہم چلائی۔ جگہ جگہ جلسے کیے، اشتہارات اور پوسٹروں کے ذریعے کانگریسی عزائم کا پردہ چاک کیا۔ اس مہم میں پیرزادہ سلیم اسلم کے نوائے مسلم اور احیات ترین مرحوم کے اخبار ''انصاف'' نے موثر کردار ادا کیا۔ جبکہ انڈین نیشنل کانگریس۔ مجلس احرار اور خدام وطن کی ترجمانی ہفت روزہ ستلج او ہفت روزہ کائنات کر رہے تھے اور آخر کار ''خدام وطن'' کو منہ کی کھانا پڑی (۴۰)۔

بہاولپور کے قائدین اور عوام نے پاکستان کی مہم بھرپور طریقے سے چلائی اور جب پاکستان ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو معرضِ وجود میں آیا تو پوری ریاست میں مسرت اور شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ مسلم بورڈ نے جگہ جگہ جلسوں اور جلوسوں کا اہتمام کیا اور فورٹ عباس سے صادق آباد تک سرکاری عمارات پر پاکستان کے پرچم لہرا دیئے اور اس تحریک کو جسے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے پیروکاروں نے ہر دور میں زندہ رکھا اور اس کی عملی شکل قیام پاکستان تک پہنچا دیا۔

حوالہ جات

۱۔ تھانٹن (Thornton)، بحوالہ *The Muslim Community of India Pakistan Subcontinent* جلد سوئم، ص ص ۳۲۴۔۳۲۶۔

۲۔ سید احمد شہید (۱۷۸۶ء۔۱۸۳۱ء) نے سکھ استبداد کے خلاف تحریکِ جہاد شروع کی۔ کیونکہ پنجاب میں سکھ راج مسلمانوں کے لئے عذاب بن چکا تھا۔ سکھوں نے کئی مسجدوں اور خانقاہوں پر ناجائز قبضہ کر لیا تھا۔ بادشاہی مسجد لاہور کو اصطبل بنا لیا گیا تھا۔ سارے پنجاب میں اذان دینے پر پابندی تھی۔ سکھوں نے پشاور پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ شاہ اسماعیل شہید (ف ۱۸۳۱ء) نے سید احمد شہید کے ایماء پر پنجاب کا خفیہ دورہ کیا اور سکھوں کے مظالم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ چنانچہ ان کی شہادت ملنے پر سید احمد نے سب سے پہلے پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں سے نجات دلانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ مجاہدین کے سکھوں کے ساتھ کئی معرکے ہوئے۔ آخر کار بالاکوٹ کے مقام پر ایک بہت بڑی جنگ ہوئی جس میں سید احمد شہید اور ساتھیوں نے ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے مقام پر جامِ شہادت نوش کیا۔ از عبید اللہ قدسی، آزادی کی تحریکیں، اشاعت اوّل ۱۹۸۸ء، ص ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ اشتیاق حسین قریشی ، برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ، اشاعت دوئم، ۱۹۸۳ء، کراچی، ص ۲۲۶۔

۴۔ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں بنگال میں مذہب کی صحیح روح بیدار کرنے، اسلامی معاشرے کے قیام اور ہندوانہ رسوم وغیر شرعی عقائد کے قلع قمع کے لئے ایک مسلح تحریک ''فرائضی تحریک'' کے نام سے شروع کی گئی۔ اس کے بانی حاجی شریعت اللہ تھے۔اس کا مقصد مسلمان کاشتکاروں کو ان میں مذہبی تبلیغ کے علاوہ ہندو زمینداروں اور انڈیگو (نیل) کے انگریز تاجروں کے ظلم سے نجات دلانا تھا۔اس کی نوعیت طبقاتی تھی تاہم مذہب کے حوالے سے اسے فرائضی بمعنی اسلام کے فرائض کی پابندی کرنے والوں کی تحریک کہا جاتا ہے۔بحوالہ زاہد چوہدری، پاکستان کی سیاسی تاریخ، جلد ۹، ۱۹۹۶ء، ادارہ مطالعہ تاریخ، لاہور، ص ۶۱۔

۵۔ اشتیاق حسین قریشی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۷۴۔

۶۔ تھامپسن، ایڈورڈ اینڈ گیرٹ جی ٹی (Thompsan, Edward & Garratt)۔ص ص ۹۰۔۱۰۴۔

۷۔ اشتیاق حسین قریشی، بحوالہ سابقہ، ص ۲۷۵۔

۸۔ خلیق احمد نظامی، ۱۸۵۷ء کا ایک تاریخی جائزہ، ماہنامہ چراغ راہ، کراچی (آزادی نمبر) اگست ۱۹۶۲ء، ص ۱۳۹۔

۹۔ نورالزمان احمد اوج، بہاولپور تاریخ کے آئینے میں، سہ ماہی الزبیر، بہاولپور نمبر، ۱۹۸۴ء ص ۲۳۔

۱۰۔ ایضاً، بحوالہ سابقہ، ص ۲۴۔

۱۱۔ وی۔ڈی مہاجن، Mahajan, V.D., *India Sisnce 1526* Dehli, 1963، ص ۹۵۔

۱۲۔ شہامت علی، *The History of Bahawalpur*، ص ص ۱۴۲۔۱۴۶۔۱۹۵۔

۱۳۔ ڈاکٹر احمد سلیم، بہاولپور تاریخ کے آئینے میں، اپریل ۱۹۹۵ء، مشمولہ مجلّہ تاریخ وثقافت، اسلام آباد، ص ۳۴۔

۱۴۔ باری علیگ، کمپنی کی حکومت، لاہور، ۲۰۰۱ء ص ص ۲۶۵۔۲۶۶۔

۱۵۔ ڈاکٹر احمد سلیم، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۶۔۳۷۔

۱۶۔ طاہر صدیق، تحریک آزادی اور بہاولپور، الزبیر، بہاولپور تحریک آزادی نمبر، ۱۹۶۷ء، ص ۱۴۱۔

۱۷۔ محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، ۱۹۷۶ء، کراچی، ص ۳۳۸۔

۱۸۔ محمد عزیز الرحمٰن صبح صادق، اشاعت سوئم، ۱۹۸۸ء، اُردو اکیڈمی، بہاولپور، ص ص ۱۱۵۔۱۱۶۔

۱۹۔ صادق محمد خان رابع کی تخت نشینی کے موقع پر کہے گئے ایک قصیدے کا ایک بہت ہی واضح شعر ہے۔جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں خواجہ غلام فریدؒ نے نواب صادق محمد خان رابع کو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں تلقین کی تھی کہ انگریز جو ملت اسلامیہ کے دشمن ہیں ان کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے۔ *دیوان فرید*، بار سوئم، مطبوعہ اُردو اکیڈمی، بہاولپور، ص۔

۲۰۔ اشتیاق حسین قریشی، *برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ*، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۳۱۔۳۳۲۔

۲۱۔ ایضاً۔

۲۲۔ ایضاً، بحوالہ سابقہ، ص ص ۳۰۴۔۳۰۵۔

۲۳۔ سید محمد میاں *تحریک شیخ الہند*، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ص ۱۱۶۔۱۱۷، بحوالہ *نقش حیات*'' ص ص ۲۰۹۔۲۳۶۔

۲۴۔ آپ کا اصل نام ''بوٹا سنگھ'' تھا۔ آپ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیانوالی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش سے چار ماہ قبل ہی آپ کے والد کا انتقال ہوگیا اسی لئے آپ نے ابتدائی تعلیم ڈیرہ غازی خان میں حاصل کی۔ وہاں پر آپ نے ایک نومسلم ''عبیداللہ'' کی تصنیف ''*تحفتہ الہند*'' کا مطالعہ کیا تو اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ ۱۸۸۷ء میں آپ مڈل کی تیسری جماعت (آٹھویں) میں تھے کہ اظہار اسلام کے لئے سندھ پہنچے اور وہاں ''بھرچونڈی شریف''، ضلع جیکب آباد کے مشہور بزرگ صوفی بالصفا حافظ محمد صدیق کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور ان کے ہاتھ پر بعیت کی۔ روحانی مرشد نے ایک روز فرمایا ''عبیداللہ نے اللہ کے لئے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا اب اس کے ماں باپ ہم ہیں''۔ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲، ۱۹۸۳ء دانشگاہ، پنجاب، لاہور، ص ۹۸۴۔

۲۵۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن تحریک آزادی وطن کے علمبردار تھے، دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۸ء میں اس کے صدر مقرر ہوئے اور ۲۳ سال تک اس عہدے پر قائم رہے۔ ۱۹۰۹ء میں جمعیت انصاری کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۱۵ء میں آپ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ آپ اس بات کے حامی تھے کہ زور بازو سے انگریزوں کو ملک سے باہر نکال دینا چاہئے۔ اس لئے شریف مکہ نے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا اور آپ کو مالٹا میں بند کر دیا۔ چار سال مالٹا میں اسیری گزار کر واپس ہندوستان آئے اور ۳۰ نومبر کو دہلی میں انتقال کیا اور آپ کو دیوبند میں دفن کیا گیا۔ *اُردو دائرہ معارف اسلامیہ*، جلد ۱۲، ۱۹۸۳ء دانشگاہ پنجاب، لاہور، ص ۶۳۵۔

۲۶۔ مولانا حسین احمد مدنی، *تحریک ریشمی رومال*، ص ص ۲۰۱۔۲۰۳۔

۲۷۔ عبیداللہ قدسی، *آزادی کی تحریکیں*، طبع اول، ۱۹۸۸ء، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ص ۲۳۰۔۲۳۱۔

۲۸۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی زندگی کا بیشتر حصہ دین پور میں بسر ہوا۔ آپ کی صاحبزادی بھی یہیں آباد ہوئیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا عبیداللہ سندھی اسی جگہ فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے۔طاہر صدیق، بحوالہ سابقہ،ص ۴۵۱۔

۲۹۔ طاہر صدیق، ایضاً،ص ۴۵۴۔

۳۰۔ مسعود حسن شہاب دہلوی، بہاولپور کی سیاسی تاریخ، اشاعت اوّل، ۱۹۷۷ء، مکتبہ الہام، بہاولپور ص ۵۷۔

۳۱۔ ایضاً،ص ص ۵۷۔۵۸۔

۳۲۔ ایثار وقربانی کی ایسی مثال بہاولپور میں اس سے قبل کہیں نہیں ملتی۔مولوی عبدالعزیز کے رشتہ داروں خصوصاً آپ کے ماموں جو کہ کونسل آف ریجنسی کے رکن تھے، نے مولوی عبدالعزیز پر کافی دباؤ ڈالا کہ فیصلہ واپس لے لیں لیکن وہ ڈٹے رہے۔جبکہ میاں غلام قادر اور سیر کا تعلق خیر پور ٹامیوالی (جو آجکل ضلع بہاولپور کی ایک تحصیل ہے) سے تھا۔ایضاً، بحوالہ سابقہ،ص ص ۵۹۔۶۰۔

۳۳۔ محمد حسن چغتائی، بابائے سیاست، مطبوعہ ہفت روزہ کائنات، بہاولپور،۴، جولائی ۱۹۶۴ء۔

۳۴۔ امیر افضل حق، تاریخ احرار،ص ۷۵، بن ندارد۔

۳۵۔ احمد سعید، حصول پاکستان، ۱۹۹۶ء، لاہور،ص ۱۳۱۔

۳۶۔ مسعود حسن شہاب دہلوی، بحوالہ سابقہ،ص ۱۳۸۔

۳۷۔ ہندوستان کی ریاستوں کی مسلم آبادی نے اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے آل اسٹیٹس مسلم لیگ کے نام سے ایک جماعت قائم کی تو بہاولپور میں ان نظریات کے حامی لوگوں نے اس کی شاخ قائم کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں اسٹیٹس مسلم لیگ کی مرکزی قیادت سے رابطے بھی کئے لیکن ریاست بہاولپور کا قانون انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دیتا تھا۔چنانچہ ۱۹۴۵ء میں بہاولپور اسٹیٹ مسلم بورڈ کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی گئی جو خالصتاً مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر عمل پیرا تھی۔اس نئی جماعت کے بانی صدر پیرزادہ سلیم اسلم ایڈوکیٹ تھے اور سیکریٹری جنرل۔طان عبدالحمید تھے جو اب تک انجمن اشاعت سیرت النبی ﷺ سے منسلک تھے۔مسلم بورڈ کے قیام کے ساتھ ہی ان لوگوں نے ریاستی حکومت کو مسلم لیگ کی شاخ قائم کرنے کے لئے اجازت کے حصول کے لئے درخواست بھی دی۔یہی نہیں بلکہ مسلم بورڈ کی ورکنگ کمیٹی کی ہدایت کے مطابق بورڈ کے سیکریٹری نے ۱۲،نومبر ۱۹۴۶ء کو قائداعظم کے نام ایک مفصل خط لکھ کر انہیں تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں مسلم بورڈ کی کارکردگی سے آگاہ کیا۔جس پر قائداعظم نے جوابی تار میں پرامن رہتے ہوئے جدوجہد کرنے کی ہدایت کی۔چنانچہ مسلم بورڈ نے تحریک پاکستان کی مہم کو پرامن طور پر جاری رکھا اور تمام ریاست میں بورڈ کی شاخیں قائم کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم لیگ کے مقاصد کو فروغ دینے کی کوششوں کو آگے بڑھایا۔ مسعود حسن شہاب، بہاولپور کی سیاسی تاریخ، ص ۱۲۵۔

۳۸۔ ایضاً، ص ص ۱۲۶۔۱۲۸۔

۳۹۔ ہفت روزہ کائنات، بہاولپور، ۱۲، اگست ۱۹۴۴ء۔

۴۰۔ مسعود حسن شہاب دہلوی، بحوالہ سابقہ۔

© rasailojaraid.com